© rasailojaraid.com

ہندوستان میں تاریخ دعوتِ اسلامی کا ایک باب
مولانا ابوالکلام آزاد اور تحریک نظم جماعت

جناب ابوسلمان شاہجہانپوری آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی ۱۹

حضرت اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید بریلوی (رحمۃ اللہ علیہما) کی تحریک جہاد اور اسلامی نظام حکومت کے قیام کی مساعی کی ناکامی[1] کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کی دعوت قیام نظام جماعت

---

[1] یہاں جو ناکامی کا لفظ استعمال کیا گیا تو یہ لغوی معنی میں ہے۔ حقیقت میں ناکامی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تو ان ارواح مقدسہ کی کامیابی کے لیے یہ بات بس کرتی ہے کہ انھوں نے خالصًا لوجہ اللہ مسلمانوں کے دینی و ملی مفاد کے تحفظ و بقا کے لیے قدم اٹھایا اور اپنے پورے وسائل کو بروئے کار لاکر، اپنی پوری صلاحیتوں کو استعمال کر کے، اپنی جان اور اپنے مالوں کی پرواہ نہ کر کے، زندگی کی عشرتوں اور راحتوں کو تج کر، پورے اخلاص کے ساتھ، پوری مستعدی اور جانفشانی کے ساتھ، انسانی سعی و جہد کے آخری مراحل تک جاکر اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے جس کی ان سے توقع کی جائے؟ جنھوں نے مقیم زندگی کی آسائشوں کی بجائے مسافرت کی تکالیف کو اختیار کر لیا ہو، گھر کی عشرتوں کی بجائے میدان جہاد کی مشقتوں کو اور نرم و گداز بستروں کی جگہ پتھریلے فرش میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برصغیر ہند پاکستان میں پہلی اسلامی تحریک تھی جو حالات و مصالح وقت کی پوری بصیرت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے ملی مفاد کے تحفظ کے لیے دی گئی تھی، جس میں مسلمانوں کے امراض اجتماعی کی صحیح تشخیص کی گئی تھی اور ان سے نجات کے لیے علاج اور طریق علاج بھی صحیح تجویز کیا گیا تھا۔

مسلمانوں کی حالت

مولانا آزاد نے یہ دعوت اب سے نصف صدی پہلے دی تھی۔ اس مدت میں اور خود اس برصغیر پاک وہند میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہوچکے ہیں۔ ملک کی آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی اور دستوری حیثیت میں زمین وآسمان کا فرق پڑچکا ہے۔ پہلے وہ ایک محکوم قوم تھے۔ آج وہ حکومت واقتدار میں برابر کے شریک ہیں لیکن اس انقلاب عظیم کے باوجود وہ جماعتی زندگی کی اسی معصیت میں مبتلا ہیں جس سے نجات کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اپنی راحت دل وجان کا سامان ڈھونڈتا ہو۔ جن کی نگاہوں کو میدانِ جہاد کا خونیں منظر گل وگلشن کی رنگینیوں اور دلکشیوں سے زیادہ محبوب ہو جنھوں نے صرف رضائے الٰہی کے لیے دیبا وحریر کی پوشاکوں پر میلی کچیلی مگر خون شہادت کے چھینٹوں سے آلودہ قباؤں کو ترجیح دی ہو اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے جس کا ان سے مطالبہ کیا جائے۔ جن کے لیے پہلے ہی بشارت سنا دی گئی ہو کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ الآیہ۔ ان کے لیے اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوگی کہ وہ اپنے عہد میں پورے اترے اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مقام محبوبیت حاصل کرلیا۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ناکامی کا داغ ان کے لیے کیوں ہوتا؟ یہ ذلت تو ان کے لیے ہے جن کی نیتیں اخلاص وللہیت سے تہی ہیں، جن کے قلوب عزم امور کی حلاوت سے ناآشنا ہیں اور جو اپنے پائے اقدام وسعی فی سبیل اللہ کو توڑ بیٹھے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے مولانا آزاد نے نظم جماعت اور امارت شرعیہ کا نسخہ شفا تجویز کیا تھا اور اگر یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو جماعتی زندگی کی اس معصیت سے نجات نہیں ملی تو ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے آج بھی اس کے سوا کوئی اور نسخہ شفا اور راہ فوز و فلاح نہیں۔ اگر وہ بحیثیت مسلمان کے زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اپنے ملی وجود کو قائم رکھنے اور ملک کی سیاست میں اپنے آپ کو ایک فعال اور موثر قوت ثابت کرنے کے خواہاں ہیں تو انھیں نظم جماعت کے قیام سے مفر نہیں۔ پاکستان میں روز اول سے اگرچہ مسلمان حکومت قائم ہے لیکن صحیح اسلامی زندگی سے یہاں بھی اتنی ہی دوری ہے، جتنی دوری ہندوستانی مسلمانوں کو ہے۔ مسلمانوں کو افتراق و تشتت کی حالت پہلے سے زیادہ شدید ہے۔ آج کل خاص طور پر انتشار کی یہ حالت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح ہندوستان میں اس دعوت کی آج بھی ضرورت ہے اسی طرح پاکستان میں بھی "صحیح اسلامی حکومت" کے قیام تک اس کی ضرورت بہر صورت ہے۔ صحیح اسلامی حکومت کے قیام کے بعد اس دعوت کا مقصد بطریق احسن پورا ہو جائے گا۔ فی الحال اس دعوت کی ضرورت دونوں ملکوں میں ہے اور اس کی اہمیت کو نظر انداز کر دینا ایک ملی معصیت ہے۔ لیکن یہاں میرا مقصد دعوت نہیں صرف تاریخی تذکرہ مقصود ہے۔

مولانا نے جب یہ دعوت دی تو ہندوستان میں مسلمانوں میں نہ کوئی رشتہ انسلاک تھا، نہ وحدت ملت کا کوئی رابطہ تھا نہ ان کا کوئی قائد اور امیر تھا اور نہ کوئی آمر و نافذ شرع۔ محض ایک بھیڑ تھی، ایک انبوہ تھا، ایک گلہ تھا جو ہندوستان کی آبادیوں میں بکھرا ہوا تھا اور ایک حیات غیر شرعی و جاہلی تھی جس میں پوری اقلیم مبتلا تھی۔

ان حالات میں مولانا نے نظم جماعت کی ضرورت کو محسوس کیا اور مسلمانوں کو اس کے قیام و اختیار کی دعوت دی۔

نظم جماعت سے مقصود

نظم جماعت سے مراد یہ تھی کہ تمام لوگ احکام نظام شرع کے مطابق ایک صاحب علم و عمل مسلمان امیر و قائد شرع کی اطاعت پر مجتمع ہو جائیں۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کا امام ہو وہ جو تعلیم دے ایمان وصداقت کے ساتھ قبول کریں اور قرآن وسنت کے ماتحت مصالح ومقاصد شرعیہ وملیہ کے تحفظ وتوازن کے لیے اس کے جو احکام ہوں ان کی بلاچون وچرا تعمیل واطاعت کریں۔

مسئلے کے مختلف پہلو مسئلہ نظم جماعت کے کئی پہلو اور اس کی کئی حیثیتیں ہیں:

(اولاً) اس کی اسلامی وشرعی حیثیت یعنی مسلمان خواہ کسی ملک کے باشندے ہوں، ان کا گرد وپیش ایک دوسرے سے خواہ کتنا ہی مختلف ہو اور ان کی دستوری وسیاسی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو ان کے لیے جماعت کی شرعی حیثیت کیا ہے اور اس کے ترک واختیار کا شرعی حیثیت سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے کیا تعلق ہے؟

(ثانیاً) ہندوستان کے مسلمانوں کے مخصوص حالات اور سیاسی گرد وپیش میں، اگر مسلمان بحیثیت ایک مسلم وحدت کے زندہ رہنا اور اپنا اسلامی وملی وجود برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اس مسئلے کی اہمیت کیا ہے؟

(ثالثاً) ہندوستان کے خاص حالات میں اگر مسلمان ایک متحدہ سیاسی قومیت کے اہم عنصر کی حیثیت سے قومی وملکی فرائض وحقوق کی منزلوں سے گزرنا، سیاسی زندگی کی جد وجہد میں حصہ لینا، ایک موثر سیاسی قوت کی حیثیت میں ہندوستان کے مطلع سیاست پر ابھرنا اور معاشی واقتصادی دوڑ میں حصہ لینا چاہتے ہیں تو نظم جماعت کا قیام اُن کے لیے کیا اہمیت رکھتا ہے۔

(رابعاً) اگر ہندوستان کے مسلمان نظم جماعت قائم کر لیتے ہیں تو ان کا یہ عمل صالح مسئلہ خلافت اور مسلمان ملکوں کی سیاست میں اور ان کے فرائض کی ادائیگی میں کس درجہ مفید اور انفع ہوگا۔

مولانا نے مسئلے کے ہر پہلو پر اس کی اہمیت کے مطابق بحث کی ہے یا کم از کم ضروری اشارات کیے ہیں اور اہل علم واصحاب نظر کو توجہ دلائی ہے۔

نظام جماعت کی شرعی حیثیت یہ مسئلہ اپنے تمام پہلوؤں اور اپنی تمام حیثیتوں سے مسلمانوں کے تمام اعمال واقدام کے لیے بمنزلہ اصل واساس کے ہے۔ اسلام اور اسلامی زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تمام برکات وحسنات نظام جماعت سے وابستہ ہیں اس کے بغیر مسلمانوں کی زندگی حیات جاہلی و غیر شرعی ہے جسے وہ گزار رہے ہیں مسئلے کی اسلامی وشرعی حیثیت کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

"اسلام نے مسلمانوں کے تمام اعمال حیات کے لیے بنیادی حقیقت یہ قرار دی ہے کہ کسی حال میں بھی فرادی، متفرق، الگ الگ اور متشتت نہ ہوں ہمیشہ مجتمع، موتلف، متحد اور کنفس واحدہ ہو کر رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں جابجا اجتماع ووحدت پر زور دیا گیا ہے اور کفر وشرک کے بعد کسی بدعملی سے بھی اس قدر اصرار وتاکید کے ساتھ نہیں روکا جس قدر تفرقہ وتشتت سے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے تمام اعمال واحکام میں یہ حقیقت اجتماعیہ بمنزلہ مرکز ومحور کے قرار پائی اور تمام دائرۂ عمل اسی کے گرد قائم کیا گیا۔ عقیدہ توحید سے لے کر تمام عبادات واعمال تک یہی حقیقت مرکزیہ جلوہ طرازی کر رہی ہے اور اس بنا پر بار بار نظم جماعت پر زور دیا گیا ہے کہ "علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ" (رواہ ترمذی) اور "علیکم بالجماعۃ فان الشیطان مع الفذ وھو من الاثنین ابعد" (رواہ البیہقی) اور "اذا کان ثلث فی سفر فلیومروا احدکم" (رواہ اصحاب السنن) اور اسی لیے نظم وقوام ملت کے لیے منصب خلافت کو قرار دیا گیا ہے کہ تمام متفرق کڑیاں ایک کڑی میں منسلک ہو جائیں۔"

ہندوستان کے مسلمان اور مسئلہ نظم جماعت

ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے مسئلہ نظام جماعت کی اہمیت یہ تھی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اصلاح حال وادائے فرائض شرعیہ کی استطاعت کبھی ظہور پذیر نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنی حیات انفرادی کو ترک کر کے حیات اجتماعی وشرعی اختیار نہ کرلیں اور بکھرے ہوئے متفرق قومی مرکزوں کی جگہ ایک ہی مرکز قومی پیدا نہ ہو جائے۔ مولانا کے نزدیک تمام اعمال اصلاحیہ اور تمام مقاصد اصلاح ومصالح انقلاب کا نفاذ ونفوذ اسی کے قیام ووجود پر موقوف تھا۔ اس کے بغیر نہ تو احیاء وتجدید ملت اور قیام شرع وادائے فرائض اسلامیہ کی کوئی راہ پیدا ہو سکتی تھی نہ ملکی سیاست اور آزادی کی جدوجہد میں وہ اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے تھے اور نہ بحیثیت جماعت کے اپنی ہستی برقرار رکھ سکتے تھے۔

"مسلمانوں کے لیے راہ عمل ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جس میں ایک عرصے سے مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہوگئے ہیں۔"

جماعتی زندگی کی معصیت سے مولاناؒ کی مراد یہ ہے کہ ان میں ایک جماعت بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہوگیا ہے۔

مولانا کے پیش نظر اس کا سیاسی پہلو بھی تھا اور اس کی اہمیت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ نظام جماعت کے قیام سے غفلت نہ برتی جائے۔ اس بارے میں انھوں نے صاف صاف اپنے اس یقین کا اعلان کیا کہ راہ شرعی صرف ایک ہے اور جب تک وہ ظہور میں نہ آئے گی ہماری کوئی سعی مشکور نہیں ہوسکتی۔

"۱۹۱۲ء کے لیل و نہار قریب الاختتام تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ حقیقت اس عاجز پر منکشف کی اور مجھے یقین ہوگیا کہ جب تک یہ عقدہ حل نہ ہوگا ہماری کوئی سعی و جستجو بھی کامیاب نہیں ہوگی۔ چناں چہ اس وقت سے میں سرگرم سعی و تدبیر ہوگیا۔"

خصائص منصب امامت

جس طرح مسئلہ نظم جماعت و امامت چند اصول و مقاصد سے مرکب ہے۔ اسی طرح منصب امامت بھی اپنے لیے چند خصائص و اوصاف کا متقاضی ہے۔ ہر عالم دین اس کا اہل اور ہر مدرسہ نشین اس کا اسرار شناس نہیں ہوسکتا۔ مولانا آزاد نے منصب امامت کے خصائص و شرائط پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

"ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جس کا قلب، کتاب و سنت کے معارف و غوامض سے معمور ہو وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت پر، ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو طن ہند کی حدیث العہد نوعیت پر، ایک ایک لمحے کے اندر متغیر ہو جانے والے حوادث جنگ وصلح پر ٹھیک ٹھیک منطبق کرنے اور پھر تمام مصالح ومقاصد شرعیہ وملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتوئے شرع صادر کرتا رہے۔"

ایک اور جگہ اس منصب کے خصائص پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں:

"آج ایک ایسے عازم امر کی ضرورت ہے اس کا علم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہو اس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو۔ اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمت رسالت کے تمام اسرار وغوامض اور معالجہ اقوام اور طبابت عہد و ایام کے تمام سرائر وخفایا اس طرح کھول دے کہ وہ صرف ایک صحیفہ کتاب وسنت اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا کی ساری مشکلوں کے مقابلے اور ارواح وقلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کر دے۔"

نظم جماعت کے قیام کی کوشش اس مقصد کے حصول کے لیے ۱۹۱۴ء میں مولانا نے بعض علماء سے خود ملے اور بعض کے پاس مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کو بھیجا لیکن علمائے وقت نے عام طور پر اس مسئلے کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور اغراض وانکار سے کام لیا۔ البتہ جب مولانا آزادؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے ملاقی ہوئے اور انہیں عزائم ومقاصد کی طرف توجہ دلائی تو حضرت مرحوم نے پہلی ہی صحبت میں اس سے کامل اتفاق ظاہر فرمایا۔

ترجمان القرآن میں سورہ توبہ کی ایک آیت پر نوٹ میں فرماتے ہیں:

"۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا۔ ہندوستان کے علماء ومشائخ کو عزائم ومقاصد وقت پر توجہ دلاؤں ممکن ہے چند اصحاب رشد وعمل نکل آئیں۔ چناں چہ میں نے اس کی کوشش کی لیکن ایک تنہا شخصیت مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے ..... یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا محی الدین قصوری کے نام ایک خط میں بھی مولانا نے اپنی ان کوششوں، علما سے اپنی ملاقاتوں اور ان کے مایوس کن جواب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ

مولانا آزادؒ کے نزدیک حضرت شیخ الہندؒ کی مستثنیٰ شخصیت کے سوا ہندوستان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو اس مسئلے کی اہمیت و حقیقت اور منصب امامت کے فرائض و مہمات اور پھر موقتہ حالات کی بنا پر مشکلات و صعوبات راہ کا نکتہ شناس ہو۔ علمائے متاخرین میں حضرت شیخ الہند کی دعوت و عزیمت کا مولانا آزاد نے نہایت شاندار الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ ابھی چند سطریں پہلے منصب امامت کے خصائص و شرائط کا تذکرہ آیا تھا چوں کہ اس منصب کے لیے مولانا آزاد کی نظر انتخاب حضرت شیخ الہند پر پڑی تھی اس لیے نامناسب نہ ہوگا کہ ان کی سیرت کے خصائص و کمالات پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔ نظر و مطالعے کی اس ضرورت کے لیے مولانا آزاد ہی کا بیان کفالت کرتا ہے:

"مولانا مرحوم ہندوستان کے گزشتہ دور کے علما کی آخری یادگار تھے۔ ان کی زندگی اس دورِ حرمان و فقدان میں علمائے حق کے اوصاف و خصائل کا بہترین نمونہ تھی۔ ان کا آخری زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوا وہ علمائے ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ستر برس کی عمر میں جب ان کا قد ان کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا عین جوار حرم میں گرفتار کیے گئے اور کامل تین سال تک جزیرہ مالٹا میں نظر بند رہے یہ مصیبت انھیں صرف اس لیے برداشت کرنی پڑی کہ اسلام و ملت اسلام کی تباہی و بربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا اور انھوں نے اعدائے حق کی مرضات و ہوا کی تسلیم و اطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا۔

فی الحقیقت انھوں نے علمائے حق و سلف کی سنت تازہ کر دی اور علمائے ہند کے لیے اپنی سنت حقہ یادگار چھوڑ گئے۔"

یہ تھی ہندوستان کی وہ بزرگ ترین ہستی جو مولانا کے نزدیک منصب امامت کی اہل تھی حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ الہندؒ مولاناؒ کے اصرار پر یہ منصب قبول کر لینے پر آمادہ بھی ہو گئے تھے اور یہ بات طے پا گئی تھی کہ ہندوستان میں نظم جماعت کے قیام کا اعلان کر دیا جائے گا لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے سفر حجاز کا ارادہ کر لیا اور مولانا آزادؒ کے بقول "میری کوئی منت و سماجت بھی انھیں سفر سے باز نہ رکھ سکی" اس صورت میں کہ مولاناؒ جس شخصیت کو اس منصب کے لیے اہل اور مستحق سمجھتے تھے، درمیان میں موجود نہیں تھی اس امر عظیم کو نہ ترک کر دیا جا سکتا تھا نہ التوا میں ڈالا جا سکتا تھا۔ مولانا نے اپنی ذمہ داری پر کام جاری رکھا۔

مولانا کی نظر بندی

اپریل، ۱۹۱۶ء میں مولانا آزاد کو کلکتہ سے اخراج کا حکم ملا۔ مجبوراً وہ رانچی چلے گئے۔ بعد میں وہیں انھیں نظر بند کر دیا گیا۔ اور اس طرح کام کا نقشہ یکسر پلٹ گیا۔ اور اگرچہ حوادث کی ہوش ربائی اور واقعات کی الم ناکی انتہا درجہ کی تھی لیکن مولانا کی عزیمت و استقامت کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ مولانا کا ذہن و دماغ امید کی شمع جلائے کام کے نئے نقشے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ "پیغام" کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتے ہیں:

"عین ۱۹۱۸ء کے اواخر عہد میں جبکہ امیدوں اور آرزوؤں کی پوری دنیا الٹ چکی تھی اور اس کی ویرانیوں اور پامالیوں پر سے سیلاب حوادث پورے زور و شور کے ساتھ گزر چکا تھا، تو میں رانچی کے گوشۂ عزلت میں بیٹھا ہوا، ایک نئی دنیائے امید کی تعمیر کا سر و سامان دیکھ رہا تھا اور گو دنیا نے دروازے کے بند ہونے کی صدائیں سنی تھیں مگر میرے کان ایک نئے دروازے کے کھلنے پر لگے ہوئے تھے۔

تفاوت است میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم

۱۹۱۸ء کے رمضان المبارک کا پہلا ہفتہ اور اس کی بیدار و معمور راتیں تھیں کہ جب میں نے انہی ہاتھوں سے امیدوں اور آرزوؤں کے نئے نقشوں پر لکیریں کھینچیں، جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے تمام پچھلے نقشے چاک کر چکا تھا۔"

نیا نقشۂ کار

اس نئے نقشۂ کار کے مطابق مولانا رح کے پیش نظر تین بڑے مقاصد و مہمات تھے :

۱۔ رفقاء و طالبین کی ایک جماعت کی تعلیم و تربیت،

۲۔ تصنیف و تالیف،

۳۔ جماعتی اعمال یعنی تنظیم جماعت۔

ان میں سے طالبین حق کی تعلیم و تربیت کا کام قید سے رہائی اور آزادی کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا لیکن دوسرے امور پر انھوں نے اسی زمانے میں توجہ دی چناں چہ ان کے اوقات نظر بندی کا بڑا حصہ اپنے افکار کی ترتیب و تالیف میں بسر ہوا۔ امر ثالث پر عمل کے لیے بھی نقل و حرکت کی آزادی کی ضرورت تھی لیکن ایام نظر بندی میں بھی جس حد تک حالات نے اجازت دی ان سے فائدہ اٹھانے میں غفلت نہیں کی۔ چناں چہ صوبہ بہار کے احباب و مخلصین کو جن سے اس زمانے میں بھی ربط تھا، مولانا نے توجہ دلائی اور کام کی ابتدا کر دی۔

رہائی کے بعد کوشش

جنوری ۱۹۲۸ء میں مولانا رہا ہوئے تو ان کے پیش نظر کاموں کا یہی نقشہ تھا اور وہ اسی میں مصروف رہنا چاہتے تھے لیکن حالات کی نزاکت اور ملکی و ملی مقاصد کی ناگزیر احتیاجات کی وجہ سے مولانا رح کو وقت اور ضرورت کے مطابق فیصلہ کر لینا پڑا اس حالت میں قرار دادہ اسلوب عمل کی پہلی شقوں پر تو عمل نہیں ہو سکتا تھا لیکن تنظیم جماعت کا کام جاری رکھا جا سکتا تھا۔ چناں چہ تحریک خلافت کے ساتھ تنظیم جماعت کے کام کو آگے بڑھانے اور تمام صوبوں تک اس دعوت کو پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے اپنے مخلصین اور علمائے کرام کو اس طرف توجہ دلائی اور وسط سال تک وہ پورے ملک میں نظم جماعت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ صرف دائرۂ عمل کی توسیع کا مرحلہ باقی رہ گیا۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے نام ۱۳ جولائی ۱۹۲۰ء کے خط میں لکھتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"گزشتہ ماہ کے آخر میں بمبئی گیا تھا تاکہ معاملات ایک قطعی اور مختتم صورت اختیار کرلیں ... بحمد اللہ معاملۂ تنظیم جماعت من کل الوجوہ اتمام کو پہنچا۔ جزئیات وتفصیلات بھی طے پاگئیں۔ اب بجز تو سیع دائرۂ عمل کے کوئی مرحلہ باقی نہیں ہے اور وہ توفیق الٰہی پر موقوف ہے .... بہرحال دائرۂ عمل ہو چکا ہے۔ پنجاب، سندھ، بنگال بالکل متفق و متحد ہے اور اب پوری تیزی سے کام جاری ہوگیا ہے۔"

صوبوں میں تنظیم جماعت

اس وقت تک مختلف صوبوں میں تنظیم کی صورت یہ تھی:

۱۔ پنجاب میں مولانا داؤد غزنوی امرتسری اور مولانا عبد اللہ قصوری علیہما الرحمہ اور مولانا محی الدین احمد قصوری مدظلہٗ، مولانا کے خلفائے مجاز اور تنظیم جماعت کے کاموں کے ذمہ دار تھے۔ مولانا سید داؤد غزنوی پنجاب میں علمائے اہل حدیث کے گل سر سبد اور علمائے سلف کی آخری یادگار تھے۔ مولانا عبد اللہ مرحوم مولانا عبد القادر قصوری کے چھوٹے بھائی تھے اور مولانا محی الدین قصوری ان (مولوی عبد القادر) کے بیٹے تھے۔ یہ خاندان پنجاب میں اپنی دینی دنیوی خدمات اور علم وفضل کی وجہ سے نہایت عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

۲۔ سندھ میں پیر سید تراب علی شاہ راشدی مولانا کے خلیفہ مجاز اور تنظیم جماعت کے کاموں کے ذمہ دار تھے۔ پیر صاحب مرحوم ضلع لاڑکانہ کے ایک گاؤں "قنبر علی خان" کے رہنے والے تھے اور اپنی دین داری اور قومی خدمات کے لیے کافی مشہور تھے۔

۳۔ یوپی میں مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی مامون ومامور تھے۔ انھوں نے لکھنؤ کو اپنا مرکز بنا کر کام شروع کیا اور چند ماہ کے اندر تنظیم جماعت کے کام کو بہت آگے بڑھایا۔ مرحوم اپنے جذبات صادقہ اور جوش عمل کی بنا پر بڑی خصوصیت رکھتے تھے[1]

---

[1] لکھنؤ میں مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی کو چند ماہ کام کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ صوبہ بنگال کے صدر مقام کلکتہ میں خود مولانا کی ذات گرامی دعوت اور تنظیم جماعت کے کاموں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی تھی اور وہ خود سرگرمی کے ساتھ بیعت وارشاد کے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا کے سوا کسی ماذون ومجاز کا پتا نہیں چل سکا لیکن ۱۹۲۲ء میں مولانا محمد منیر الزماں اسلام آبادی امارت شرعیہ اور نظم جماعت کے قیام کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں شاید وہ مولانا کی جانب سے ماذون ومامور ہیں۔ اس خیال کو اس بات سے مزید تقویت پہنچتی ہے کہ مولانا سجاد بہاری سے ان کے قریبی تعلقات بلکہ عقیدت کیشی اور نیازمندی کے تعلقات تھے۔

۵۔ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد مرحوم بہار میں تنظیم جماعت اور امارت شرعیہ کے قیام کے لیے مولاناؒ کی جانب سے مامور تھے۔ مولانا آزادؒ سے ابو المحاسنؒ کے تعلقات معلوم ومشہور ہیں مولانا آزادؒ نے انھیں اپنے مخلصین ومحبین میں شمار کیا ہے۔ انہی کی کوششوں سے صوبہ بہار میں امارت شرعیہ اور نظم جماعت کا قیام سب سے پہلے عمل میں آیا، اور ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء بہار کے جلسے میں تین سو علماء نے بالاتفاق حضرت مولانا شاہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا امیر شرع منتخب کر لیا۔

چند مریدین مخلصین

مولانا کے ان خلفائے مجاز کے علاوہ سینکڑوں مرید تھے ان میں سے جن کے نام معلوم ہو سکے یہ ہیں:

(۱) خواجہ عبدالحی فاروقی (۲) مستری محمد صدیق مرحوم (کپورتھلہ) (۳) صوفی غلام مصطفی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انھوں نے کرسچین کالج اور لکھنو یونیورسٹی کے بہت سے طلبہ، مولوی گنج کے بہت سے مسلمانوں اور دریہ گنج کے کچھ اطبا کو حلقہ بیعت میں داخل کیا جن کی مجموعی تعداد کئی سو تھی۔ ان میں سے گولہ گنج کے ننھے خاں، ظفر الملک مولوی اسحاق ایڈیٹر الناظر کے بڑے بھائی مولوی شفاعت علی اور ملیح آباد کے سردار محمد خاں کے نام معلوم ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبسم (امرتسر) (۴) شیخ قمرالدین مرحوم (لاہور) (۵) مولانا غلام رسول مہر (لاہور) (۶) غالباً سب سے آخری شخص جنھوں نے مولانا کے ہاتھ پر بیعت کی مولوی محمد یونس خالدی (لکھنؤ) ہیں۔

میثاق اسلامی

جب کوئی صاحب اخلاص مسلمان جماعتی زندگی کی اہمیت کو سمجھ لیتا اور نظم جماعت کا پابند اور احکام شرعیہ کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر صدق دل سے آمادہ ہو جاتا تو مولانا اس سے سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ایک عہد لیتے تھے۔ یہ عہد خانقاہی نظام اور تصوف کے کسی خاص سلسلے کے اعتقاد و وابستگی کا عہد نہیں ہوتا تھا بلکہ پورے اخلاص نیت کے ساتھ احکام شریعت کے کامل اتباع، پوری زندگی کو مرضیات الٰہی کے حوالے کر دینے اور اور اپنے تمام مالوفات، مطلوبات اور تمام تعلقوں اور رشتوں سے زیادہ اللہ کو، اس کے رسول کو، اس کی شریعت کو اور اپنے تمام ذاتی و انفرادی مفادات کے مقابلے میں اجتماعی اور امت کے مصالح کو زیادہ عزیز و مقدم رکھنے اور اس کے لیے اپنی جان، اپنا مال اور اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنے کا عہد ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں مولانا کی دو تحریریں پیش نظر ہیں۔ ایک تحریر ۱۹۲۱ء کی ہے اور "مولانا ابوالکلام آزاد کا پیام عزیزان پنجاب کے نام" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ مولانا غلام رسول مہر نے یہ نایاب تحریر "نقش آزاد" میں شامل کر کے ضائع ہونے سے محفوظ کر دی ہے۔ دوسری تحریر بیعت کا وہ مسودہ ہے جو مولانا نے عبدالرزاق ملیح آبادی کو لکھ کر دیا تھا۔ چوں کہ پیش نظر مقصد کی وضاحت کے لیے ایک تحریر کفالت کرتی ہے اس لیے یہاں دوسری تحریر نقل کی جاتی ہے:

امنت باللہ وبما جاء من عند اللہ وامنت برسول اللہ وبما جاء من عند رسول اللہ واسلمت واقول ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ بذلک واُمرت وان اول المسلمین۔

بیعت کرتا ہوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ خلفا و نائبین کے اس بات پر کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں تک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعتقاد اور عمل پر قائم رہوں گا۔ اگر استطاعت پائی۔

۲۔ پانچ وقت کی نماز قائم رکھوں گا، رمضان کے روزے رکھوں گا، زکوٰۃ اور حج ادا کروں گا۔ اگر استطاعت پائی۔

۳۔ ہمیشہ زندگی کی ہر حالت میں نیکی کا حکم دوں گا برائی کو روکوں گا، صبر کی وصیت کروں گا۔

۴۔ میری دوستی ہوگی تو اللہ کی راہ میں اور دشمنی ہوگی تو اللہ کی راہ میں۔

۵۔ اور بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ ہمیشہ زندگی کی ہر حالت میں اپنی جان سے، اپنے مال سے، اپنے اہل وعیال سے، دنیا کی ہر نعمت اور دنیا کی ہر لذت سے زیادہ اللہ کو، اس کے رسول کو، اس کی شریعت کو، اس کی امت کو محبوب رکھوں گا اور اس کی راہ میں جو حکم کتاب وسنت کے مطابق دیا جائے گا۔ سمع والطاعۃ کے ساتھ اس کی تعمیل کروں گا۔"

شیخ الہند کی ہندوستان واپسی مارچ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند کو مالٹا کی نظر بندی سے رہائی ملی اور جون میں وہ ہندوستان پہنچے لیکن نظر بندی کے زمانے کی سخت تکالیف سے ان کی صحت تباہ ہو چکی تھی۔ اس وقت ان کی عمر انہتر (۶۹) برس کی تھی اگرچہ ان کے دل میں کبھی نہ بجھنے والی ایمان کی انگیٹھی دہک رہی تھی لیکن ان کا جسم امت کے غم میں گھل چکا تھا، قویٰ جواب دے چکے تھے ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ کوئی ذمہ داری اٹھائیں۔ ہندوستان تشریف لانے کے بعد وہ تقریباً چھ ماہ زندہ رہے یہ مدت بھی عوارض ومعالجات کی فکروں میں گزری[1]۔

---

[1] ہندوستان تشریف لانے کے بعد حضرت شیخ الہند کی صحت اور ان کے شب وروز کے مشاغل کے بارے میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب فرماتے ہیں: "حضرت شیخ الہند (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے باوجود حلقہ دیوبند کے بعض حضرات کی نہایت مخلصانہ خواہش تھی کہ حضرت شیخ الہند اس منصب کو قبول فرمالیں۔ دوسری طرف حلقہ فرنگی محل مولانا عبدالباری کی امامت کے لیے کوشاں تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہندوستان تشریف لائے تو مرض الموت کا آغاز تھا آپ کو وجع المفاصل کا قدیم سے عارضہ تھا، کثرت بول کی شکایت بھی پرانی تھی اس پر مالٹا کا سرد موسم اور مزید برآں حضرت والا کی شب بیداری، ریاضت اور قلت غذا، بایں ہمہ پیرانہ سالی اور پھر ترکوں کی شکست اور اپنی جدوجہد کی ناکامی کا صدمہ۔ ان تمام اسباب کی بنا پر گویا مرض کا سلسلہ مالٹا ہی میں شروع ہوگیا تھا پھر تقریباً تین ماہ تک راستے کی مشقت، اور ہندوستان پہنچنے کے بعد مخلوقات کا ہجوم، تحریک کی ترقی مشاغل کی کثرت یہ سب چیزیں اضافہ مرض کا سبب بنتی رہیں۔ انتہا یہ کہ آپ کو دق ہوگئی۔ مگر درحقیقت اس شیخ طریقت اور شیخ سیاست کی ہمت واستقلال، ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کے لیے سبق آموز ہے کہ تپ دق کا آخری اسٹیج ہے۔ چلنا پھرنا تو درکنار بیٹھنا بھی ممکن نہیں مگر اس حالت میں بھی تحریک کی قیادت جاری ہے اجلاسوں کی شرکت کے لیے سفر ہو رہا ہے، صدارت فرمائی جارہی ہے العظمۃ للہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ بستر مرگ پر ایک شیخ فانی کا یہ بے پناہ جذبۂ عمل۔ ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاح کے لیے اس حالت میں تشریف لے گئے تھے کہ ڈولی میں پڑ کر جلسہ گاہ تک پہنچے تھے چند منٹ بیٹھ کر بھی خطاب کرنا مشکل تھا۔ مختصر سا خطبۂ صدارت تھا لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھ کر سنایا تھا۔ ۱۸ ر تا ۲۰ ر نومبر کو دہلی میں جمعیۃ العلماء ہند کا دوسرا سالانہ جلسہ آپ کی صدارت میں تھا لیکن بیماری اور نقاہت کی وجہ سے آپ کے لیے اسٹیج پر تھوڑی دیر بیٹھنا بھی دشوار تھا خطبہ صدارت لکھا ہوا تھا اور کسی اور نے پڑھ کر سنایا تھا۔ اسی زمانے میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا دہلی میں سنگ بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔ دہلی میں ۳۰ ر نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ نے اس جہان فانی سے انتقال فرمایا اور مسلمان اس روح عظیم ومقدس کے وجود گرامی اور اس کی رہنمائی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے۔ السلام علیہ ورحمۃ اللہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ الہند کی جانب سے مولانا آزاد کی تائید مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم مولانا آزاد کی امامت کے لیے میدان ہموار کر رہے تھے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کی۔ اس کی روداد خود انہی کی زبانی سنیئے:

"شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب مرحوم و مغفور مالٹا کی نظر بندی سے چھٹ کر پہلی دفعہ لکھنؤ تشریف لائے[1] اور فرنگی محل میں ٹھہرے۔ خبر ملی کہ فرنگی محل والے اس کوشش میں ہیں کہ مولانا عبدالباری صاحب کی امامت پر انھیں راضی کریں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خود حضرت شیخ الہندؒ کے بعض رفیق شیخ کے لیے یہ منصب چاہتے ہیں......

میں نے شیخ الہند سے تنہائی میں ملاقات کی۔ رسمی باتوں کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی امامت کا تذکرہ چھیڑا۔ شیخ نے فرمایا امامت کی ضرورت مسلم ہے، عرض کیا حضرت سے زیادہ کون اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس منصب کے لیے وہی شخص موزوں ہو سکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ہوشمند، مدبر اور ڈپلومیٹ ہو..... جس کی استقامت کو نہ کوئی تشویش متزلزل کر سکے نہ کوئی ترہیب...... شیخ الہند نے اتفاق ظاہر کیا تو عرض کیا آپ کی رائے میں اس وقت امامت کا اہل کون ہے؟ یہ بھی اشارۃً کہدیا کہ بعض لوگ اس منصب کے لیے خود آپ کا نام لے رہے ہیں اور بحمد اللہ اہل بھی ہیں۔ شیخ بڑی معصومیت سے مسکرائے اور فرمایا "میں ایک لمحے کے لیے بھی تصور نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کا امام بنوں[2]" عرض کیا کچھ لوگ مولانا

[1] واضح رہے کہ یہ واقعہ جولائی یا اگست ۱۹۲۰ء کا ہے۔

[2] اس ایک جملے میں حضرت شیخ الہند نے اپنی پوری سیرت بیان کر دی ہے۔ لاریب ان کا خلوص ان کی بے نفسی اور للہیت اسی درجے کی تھی، وہ پہلے بھی صرف مولانا آزادؒ کے اصرار اور ملت اسلامیہ کے دینی و سیاسی مصالح کے پیش نظر اور کسی کو آمادہ نہ پا کر ہی منصب امامت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبدالباری صاحب کا نام لے رہے ہیں۔ موصوف کا تقویٰ و استقامت مسلم ہے مگر مزاج کی کیفیت سے آپ بھی واقف ہیں۔ شیخ نے سادگی سے جواب دیا، مولانا عبدالباری کے بہترین آدمی ہونے میں شبہ نہیں مگر منصب کی ذمہ داریاں کچھ اور ہی ہیں، عرض کیا: اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ نے متانت سے فرمایا، میرا انتخاب بھی یہی ہے۔ اس وقت مولانا آزاد کے سوا کوئی شخص "امام الہند" نہیں ہوسکتا۔ ان میں وہ سب اوصاف جمع ہیں، جو اس زمانے میں ہندوستان کے امام میں ہونا ضروری ہیں...... عرض کیا اس گفتگو کو پبلک میں لاسکتا ہوں؟ انھوں نے اجازت دے دی۔"

جمیعۃ العلماء ہند کا اجلاس دہلی

۱۹۲۰ء میں جمیعۃ العلماء ہند کا جو اجلاس دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت میں ہونے والا تھا اس میں امیر الہند کے انتخاب کا مسئلہ بھی زیر غور تھا لیکن حضرت شیخ الہند کی شدید علالت کی وجہ سے یہ مسئلہ ملتوی کر دیا گیا۔ اس وقت اگرچہ شیخ الہندؒ مولانا آزادؒ کے حق میں اپنی رائے کا اظہار فرما چکے تھے۔ اس کے باوجود اس شیخ الکل اور مجاہد فی سبیل اللہ سے عامۃ المسلمین اور علمائے وقت کے قلوب و ارواح کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قبول کرنے پر آمادہ ہوتے ہوں گے۔ اب انھوں نے دیکھا کہ تحریک کا کام شروع ہوچکا ہے اور مولانا آزاد اس کے لیے ہر طرح اہل اور آمادہ بھی ہیں تو فوراً خود کو اس سے الگ کر لیا اور مولانا آزاد پر اپنا اعتماد ظاہر فرما دیا۔ اسی طرح مجھے یقین ہے کہ اگر حضرت شیخ الہندؒ ذرا بھی اس منصب کو قبول کرنے پر آمادہ نظر آتے تو سب سے پہلے مولانا آزاد ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے کہ ان کی ملی دردمندی بھی اسی درجہ کی تھی۔ بہرحال یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ کے ہندوستان تشریف لے آنے کے بعد مولانا آزادؒ کے لیے بیعت امامت کا سلسلہ جاری رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وابستگیوں اور عقیدتوں کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ اجلاس ختم ہوئے ابھی ایک ہفتہ ہی گذرا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے رحلت فرمائی۔ اس سانحۂ عظیم کے بعد علمائے دیوبند اور جمعیۃ العلماء کا عام رجحان مولانا آزاد کی جانب تھا۔ انھی دنوں جب بعض اطراف وجوانب سے مولاناؒ کی مخالفت کی گئی[1] اور بقول مولانا بلاسبب اختلاف جدل پیدا کر دیا گیا۔ تو مولانا نے یہ ذمہ داری جمعیۃ العلماء ہند کے سپرد کر دی۔ چناں چہ دہلی میں جمعیۃ کی مجلس شوریٰ کا ایک خاص اجلاس اس کے تصفیے کے لیے بلایا گیا، اس میں نہ صرف یہ کہ نظام جماعت کے کام کو جمعیۃ کے مقاصد کار میں شامل کر لیا گیا، یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ جمعیۃ کا آئندہ سالانہ اجلاس مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صدارت میں لاہور میں منعقد کیا جائے۔ شوریٰ کا یہ فیصلہ فی الحقیقت دعوت تنظیم کے کام میں مولانا آزاد پر اظہار اعتماد ان کی رائے اور مساعی سے اتفاق اور انھیں اپنے پورے تعاون کا یقین دلانا تھا۔ حالات ومصالح امت کی بنا پر یہ فیصلہ نہایت اہم تھا۔ اگر جمعیۃ یہ فیصلہ نہ کرتی تو اس کی دینی وسیاسی بصیرت اور سعی وعمل کے میدان میں قیادت کے بارے میں شبہ کیا جا سکتا تھا۔

جمعیۃ العلمائے ہند کا اجلاس لاہور شوریٰ کے فیصلے کے مطابق نومبر ۱۹۲۱ء میں لاہور میں مولانا آزادؒ کی زیر صدارت جمعیۃ کا عظیم الشان سالانہ اجلاس ہوا۔

---

[1] اسی زمانے میں بدایوں سے نظام شیخ الاسلامی کے قیام کی ایک تحریک اٹھی، کانپور سے اس کی پرجوش تائید کی گئی، لکھنؤ سے اس کی حمایت ومعاونت کا اطمینان حاصل کیا گیا۔ اور بدایوں یا لکھنؤ میں اس کے مرکز کے قیام کے ساتھ پنجاب، بہار اور یوپی کے صوبوں میں تنظیم کے قیام کے منصوبے بنائے گئے اور بلاشبہ جذبات کی کمی نہ تھی لیکن چوں کہ اس مسئلے کی واقعی اہمیت وحقیقت اور مشکلات راہ اور ضروریات سفر کا کوئی بھی نکتہ شناس نہ تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قافلے نے منزل مقصود کی طرف سفر شروع بھی نہ کیا تھا کہ اس کے اعضاء وارکان منتشر ومتفرق ہونا شروع ہو گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا نے اس موقع پر جو خطبۂ صدارت پیش کیا وہ ان کی دینی بصیرت اور سیاسی تدبر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ مولانا کا یہ پورا خطبہ جمعیۃ کے مقاصد کار اور تنظیم جماعت کی ضرورت واہمیت کے تعارف وتشریح پر مشتمل ہے۔ مولانا کے خطبۂ صدارت کے ایک ایک حرف سے اتفاق کیا گیا۔ اور "امارت شرعیہ فی الہند" کے قیام کی تجویز منظور کرلی گئی اور امیر شریعت کے اصول و شرائط منضبط و منظور کرلیے گئے۔ حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ[1] نے اپنی تقریر میں مولانا کے خیالات کی توثیق فرمائی، مولانا کی اصابت رائے اور منصب امامت کے لیے ان کی اہلیت کا صاف صاف اعتراف کیا اور کہا کہ امام الہند کے لیے جو شرائط ضروری ہیں وہ سب مولانا آزاد میں موجود ہیں اور یہ کہ وہ انھیں "امام الہند" تسلیم کرتے ہیں۔

اجلاس کے فیصلے مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ "لاہور میں دیوبند کی جماعت

---

[1] حضرت مولانا علامہ کاشمیری علیہ الرحمہ اپنے ذہنی کمالات، اخلاقی محاسن اور علم وفضل کے لحاظ سے متاخرین علمائے ہند میں نادرہ روزگار شخصیت تھے۔ بقول مولانا اشرف علی تھانوی "حقانیت اسلام کی دلیلوں میں سے ایک دلیل حضرت مولانا انور شاہ صاحب کا امت مسلمہ میں وجود بھی ہے۔" مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ کی وفات پر جامعہ ڈابھیل میں تعزیتی جلسے میں فرمایا "مجھ سے اگر مصر وشام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور سلطان العلماء حضرت شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کرکے کہہ سکتا ہوں کہ ہاں دیکھا ہے! کیونکہ صرف زمانے کا تقدم وتاخر ہے ورنہ اگر حضرت شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب ومحامد بھی تاریخ کا گراں سرمایہ ہوتے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر، شیخ تقی الدین اور سلطان العلما کا انتقال آج ہو رہا ہے۔" حضرت کاشمیری نے ۲۷ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں انتقال فرمایا اور جوار رحمت الٰہی میں جگہ پائی۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سربرآوردہ حضرات مولانا انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا شبیر احمدؒ (عثمانی)، مولانا حبیب الرحمٰن رحؒ (دیوبندی) وغیرہ نے مولانا ابوالکلام آزاد کی امامت کی بیعت کے ساتھ رضامندی کا اعلان کردیا تھا مگر بات اعلان سے آگے نہ بڑھی۔"

بات آگے نہ بڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس اجلاس میں ایک کمیٹی "امارت شرعیہ فی الہند" کے بعض امور کی تشریح وتسوید کے لیے مقرر کردی گئی تھی جسے جلد از جلد اپنی رپورٹ پیش کرنی تھی اور ایک ماہ بعد ایک خصوصی اجلاس میں مجلس کے مسودہ کی منظوری اور انتخاب امیر الہند ہونا طے پایا تھا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت حکومت نے کل ہند پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا آزاد اجلاس لاہور سے فراغت کے بعد بمبئی اور دیگر مقامات پر سے ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے ہی تھے کہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ پنجاب، دہلی، دیوبند، یوپی، بہار، اور بنگال کے سینکڑوں علما گرفتار کرکے جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ ساتھ ہی یہ مشہور کیا گیا کہ مجلس تسوید کا جو اجلاس ہونے والا تھا اسے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ حالات بھی بظاہر اس کے موید تھے متعدد حضرات اس دھوکے میں آگئے لیکن اس کے باوجود بعض علمائے کرام اور زعمائے ہند مثلاً حکیم محمد اجمل خاں مرحوم اور مولوی ظہور احمد مرحوم سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ مقررہ تاریخ کو جمع ہوئے اور اگرچہ ارکان کی رسمی تعداد جمع نہیں ہوسکی لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حاضرین نے پوری دل سوزی اور غور وفکر کے بعد ایک مسودہ مرتب کرلیا لیکن چوں کہ جمعیت وخلافت کے اکابر اور دیگر زعما گرفتار تھے اس لیے مجوزہ خصوصی اجلاس جمعیۃ کے انعقاد کا موقع باقی نہیں رہا تھا اس لیے امیر الہند کے انتخاب کی نوبت نہیں آسکی[1]

---

[1] نظم جماعت یا امارت شرعیہ فی الہند کے قیام کے سلسلے میں جمعیۃ العلماء ہند کا کردار نہایت شاندار رہا ہے۔ اگرچہ جمعیۃ قیام نظام امارت کے مقصد میں کل ہند پیمانے پر کامیاب نہیں ہوسکی لیکن وہ اس کی ضرورت واہمیت، اس کے قیام کی کوشش سے غافل (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعتی زندگی میں اضمحلال اور اختلافات کا ظہور جنوری ۱۹۲۳ء میں جب مولاناؒ ایک سال کے بعد رہا ہوئے تو اس مسئلے کی طرف پھر توجہ کی لیکن تحریک خلافت اور ترک موالات کی سرگرمیاں جوں جوں سرد پڑتی گئیں اختلافات رونما ہونے لگے معمولی معمولی باتوں نے شدید نزاع کی صورت اختیار کرلی۔ اور جو دن آیا اس میں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات بڑھتے ہی گئے۔ مسلمانوں کی جماعتی زندگی میں روز بروز افسردگی، بے دلی، بدنظمی، اور انتشار بڑھتا گیا۔ اس صورت حال کا مولانا کو شدید احساس تھا۔ تنظیم جماعت کے کام میں دن بدن مشکلات بڑھتی جارہی تھیں لیکن مولانا جماعتی زندگی کے قیام کی ضرورت سے غافل نہیں تھے وہ برابر کام کو آگے بڑھا رہے تھے اور اصحاب علم کو اس کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

صدائے درد انگیز اپریل، ۱۹۲۶ء میں منعقد ہونے والے مرکزی خلافت کمیٹی کے ایک جلسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کبھی نہیں رہی۔ اس کے اجمیر، دہلی، مراد آباد وغیرہ کے سالانہ اجلاس کے اہم مسائل میں یہ مسئلہ سر فہرست رہا ہے۔ حتیٰ کہ تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ و دیوبند کے اکابر نے اس مسئلے کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ نے حکیم محمود احمد برکاتی سلمہٗ کے نام ۱۹۵۱ء کے ایک خط میں لکھا ہے کہ "زوال حکومت کے بعد والی امامت کی ضرورت اب بھی باقی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اتفاقاً مولانا ابوالکلام کی شکل میں ایک ایسی ہستی مسلمانوں میں موجود ہے جو اس منصب کے لیے موزوں ترین شخصیت ہوسکتے ہیں۔" لیکن جمعیۃ العلماء کی راہ کی مشکلات بھی نہایت شدید تھیں۔ اسے ہر روز جس قلزم حوادث سے گزرنا اور جن حالات و شدائد سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اس کا ہم دور افتادگان اور سبک ساران حال اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔ مجبوراً جمعیۃ کو صرف ان مقاصد کار پر اکتفا کرلینا پڑا جو جمعیۃ کے دائرۂ کار کے اندر رہ کر انجام دیئے جاسکتے تھے۔ یہاں چوں کہ مولانا آزاد کے تعلق سے تحریک نظم جماعت ہمارا موضوع ہے، اس لیے جمعیۃ کی مساعی حسنہ کی تفصیلات سے گریز کرنا پڑا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تحریک کے سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی کے نام خط میں لکھتے ہیں :

"ملک کی مایوسی اور بدنظمی انتہائی درجے تک پہنچ چکی ہے اور ان تمام لوگوں کے لیے جو صورت حال کا احساس رکھتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر نہیں ہیں، ایک فیصلہ کن سوال پیش آگیا ہے۔ ضروری ہے کہ موجودہ معلق اور منتظر حالت ختم کر دی جائے اور ایک آخری فیصلہ ہو جائے تو بس چاہیے کہ جلد از جلد سعی و عمل کا قدم اٹھائیں اور مسلمانان ہند کی جماعتی زندگی کو ایک سخت تاریک مستقبل سے بچالیں، یا پھر ایک مدت دراز کے لیے ان تمام مخفی امیدوں سے دستبردار ہو جائیں، جن کے رکھنے اور پرورش کرنے کے ہم آج تک مدعی رہے ہیں۔"

مسئلہ حجاز اور خلافت کمیٹی میں اختلاف

مولانا آزاد نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو ایک جماعتی نظم کے تحت زندگی بسر کرنے کی دعوت دی لیکن ۱۹۲۰ء کی حرکت کے بعد جو ردِ فعل ظہور میں آیا اس سے جماعتی قوی کا نظم اور دماغی انضمام اتنا بھی باقی نہیں رہا جو اس سے پہلے تھا۔ خود خلافت کمیٹی جس کے مولانا صدر تھے دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی ایک سلطان ابن سعود کے ملک الحجاز بن جانے کا حامی یا سلطان کے اعلان ملوکیت کے بعد اپنے سامنے کوئی راہ عمل نہ پاکر اور بربنائے مصلحت خاموشی اور صورت حال کو قبول کر لینے کو بہتر سمجھتا تھا۔ دوسرا فریق اس صورت حال سے نمٹنے کی کوئی راہ نہ پاکر بھی سلطان کی مخالفت پر کمربستہ تھا۔ مولانا ظفر علی خاں فریق اول کے سرخیل تھے اور دوسرا فریق مولانا محمد علی جوہر کی رہنمائی میں کمربستہ تھا۔ زمیندار اور ہمدرد کی جنگ (۱۹۲۶ء) میں وجہ نزاع یہ مسئلہ تھا۔ یہ جنگ شروع سال اور آخر سال میں دو مرتبہ زور و شور کے ساتھ چھڑی اور کئی کئی مہینے تک جاری رہی۔ مولانا آزاد نے اس کے ختم کرانے میں کافی حصہ لیا۔

بائیس برس کی شکوہ سنجی

یہ انتشار و تشتت، ۱۹۲۶ء میں تھا اس کے بعد جو دن آیا مسلمانوں کے جماعتی قوی میں اضمحلال پیدا ہوتا گیا۔ اور ثابت ہوگیا کہ مسلمان ذاتی گروہی اور فرقہ وارانہ خیالات سے بلند ہو کر ایک اجتماعی نصب العین کے تحت عظیم تر مقاصد و مصالح ملی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے کام نہیں کر سکتے اس طرح اگرچہ تنظیم جماعت کا کام شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا لیکن یہ خیال مولانا کے ذہن سے کبھی نہیں نکلا۔ وہ ہمیشہ اس کے شکوہ سنج اور ماتم گسار رہے ہیں۔ ہم نام اور اپنے خلیفہ مجاز مولانا محی الدین احمد قصوری کے نام جماعت و التزام جماعت سے متعلق ایک سوال کے جواب[1] میں لکھتے ہیں:

"کاش کہ ہندوستان میں مسلمان کوئی ایسا نظام قائم کرتے جو ناقص معنوں ہی میں حقیقت جماعت کا رنگ پیدا کر سکتا۔۔۔ جماعت و التزام کا آپ نے شکوہ کیا بھی تو اسی نامراد سے جو بائیس برس سے اسی حقیقت کے لیے شکوہ سنج رہا ہے۔"

مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار

یہ صدائے درد انگیز مختلف موقعوں اور مختلف صحبتوں میں بلند ہوتی رہی۔ ۱۹۳۴ء کے اواخر میں جب مولاناؒ نے بالی گنج کلکتہ کی جامع مسجد میں مسلمانان کلکتہ کے اصرار سے مجبور ہو کر نماز جمعہ کی امامت قبول فرمائی اور خطبات کا سلسلہ شروع کیا تو ان تمام خطبات میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا وہ جماعتی زندگی اور اس کے اعمال و امتیازات اور خصائص ہیں مولاناؒ نے ان کے ترک کر دینے کو مسلمانوں کے تنزل کا سبب اور ان کے اختیار کر لینے کو ان کے کھوئے ہوئے وقار کی واپسی کا علاج بتایا ہے۔

دسمبر ۱۹۳۵ء میں خطبہ عید الفطر میں مولانا نے فرمایا:

"احکام شریعت پر کامل ۲۵ سال تک میں نے پوری طرح غور و خوض کیا اور اس ۲۵ سال کے عرصے میں شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جس کی کوئی صبح، کوئی شام اس فکر سے خالی گزری ہو اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ واضع شریعت کا منشا یہ ہے کہ اس کے

---

[1] تبرکات آزاد میں اس خط کی جگہ ۲۵ء اور ۲۷ء کے درمیان میں ہے لیکن اس میں مولاناؒ نے ۲۲ برس کی شکوہ سنجی کا ذکر کیا ہے اور ۱۹۱۴ء میں جب کہ مولاناؒ نے یہ دعوت دی تھی، ۲۲ جمع کر دیے جائیں تو ۱۹۳۶ء ہوتے ہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ یہ خط ۱۹۳۶ء کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام ایک جماعتی نظام کے ماتحت اجرا پائیں لیکن مسلمانوں نے اس جماعتی نظام کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔"

اسی خطبے میں کس حسرت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"کاش مجھ میں ایسی قوت ہوتی یا وہ شے موجود ہوتی جس کی مدد سے میں تمہارے مقفل قلوب کے پٹ کھول سکتا تاکہ میری آواز تمہارے کانوں میں نہیں بلکہ دل میں سما سکتی اور تم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتے۔"

حرف آخر

اس کے بعد بھی مولانا نے کسی چھوٹے سے چھوٹے پیمانے پر اور قصبے اور شہر کی سطح پر مسلمانوں کو نظم جماعت قائم کرلینے کی طرف توجہ دلائی کہ یہ بھی کسی نہ کسی حد تک مفید تھا لیکن مسلمانوں کی غفلت اور ان کا انتشار ایسا نہ تھا کہ وہ اس درد مند ملت کی آواز پر توجہ دیتے۔ مسلمانوں نے ان کی دعوت کا جواب اعراض و انکار سے دیا۔ مولاناؒ اپنا فرض ادا کرکے اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے لیکن مولاناؒ کی دعوت وقتی حالات و مصالح پر مبنی نہیں تھی اس کی بنیاد قرآن حکیم کی تعلیمات حقہ اور معارف و حقائق نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے اسرار و حکم پر قائم تھی اس لیے اس کی ضرورت لازمی اور اس کی اہمیت دائمی ہے۔ مولانا کو ہم سے رخصت ہوئے بارہ سال گزر چکے ہیں لیکن یہ صدائے درد انگیز اب بھی فضا میں گونج رہی ہے۔ کاش مسلمان خصوصاً اصحاب علم اس پر توجہ فرمائیں۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد!

کتب ماخذ و حوالہ جات

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب و رسائل خاص طور پہ پیش نظر رہے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ ابوالکلام آزاد، "مسئلہ خلافت"، مطبوعہ مکتبہ احباب، لاہور

۲۔ ابوالکلام آزاد، "خطبۂ صدارت تحریری، جمعیۃ العلماء ہند" منعقدہ لاہور، ۱۹۲۱ء، مطبوعہ قومی دارالاشاعت، میرٹھ

۳۔ غلام رسول مہر، مولانا، "نقش آزاد"، مطبوعہ کتاب منزل لاہور، ۱۹۵۹ء

۴۔ مہر، مولانا غلام رسول، "تبرکات آزاد"، مطبوعہ کتاب منزل، لاہور، ۱۹۵۹ء

۵۔ سیف صدیقی، "خطبات جمعات وعیدین"، مطبوعہ زمزم بکس ایجنسی، لاہور،

۶۔ ابوسلمان شاہجہاں پوری، "مکاتیب ابوالکلام آزاد"، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۸ء

۷۔ محمد طفیل، نقوش [illegible]، "خطوط مہر"، مطبوعہ ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۶۸ء

۸۔ احمد سعید ملیح آبادی، "آزاد ہند کلکتہ، ملیح آبادی نمبر"، مطبوعہ دفتر آزاد ہند کلکتہ، ۱۹۶۰ء

۹۔ عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا، "ذکر آزاد" مطبوعہ دفتر آزاد ہند، کلکتہ، ۱۹۶۰ء

۱۰۔ عبدالصمد رحمانی، مولانا، "تاریخ امارت" مطبوعہ دفتر امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۳۶۲ھ

۱۱۔ معین الحق، سید، "بصائر" کراچی، دائرۃ المعارف، کراچی ــ ۵، ۱۹۶۷ء

العلم والعلماء

یہ جلیل القدر امام حدیث علامہ ابن عبد البر کی شہرۂ آفاق کتاب جامع بیان العلم وفضلہ کا نہایت صاف اور شگفتہ ترجمہ ہے

علم اور فضیلت علم اہل علم کی عظمت اور ان کی ذمہ داریوں کی تفصیل پر خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے ــ مترجم: مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم

قیمت ۵/۵۰ مجلد ۶/۵۰ مکتبہ برہان اردو بازار دہلی

© rasailojaraid.com